سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ

آیات ۱۰۲ - ۱۰۳

(گزشتہ سے پیوستہ)

ملاحظہ: کتاب میں حوالہ کیلئے قطعہ بندی (پیراگرافنگ) میں بنیادی طور پر تین ارقام (نمبر) اختیار کئے گئے ہیں۔ سب سے پہلا (دائیں طرف والا) ہندسہ سورۃ کا نمبر شمار ظاہر کرتا ہے۔ اس سے اگلا (درمیانی) ہندسہ اس سورۃ کا قطعہ نمبر (جو زیر مطالعہ ہے اور جو کم از کم ایک آیت پر مشتمل ہوتا ہے) ظاہر کرتا ہے۔ اس کے بعد والا (تیسرا) ہندسہ کتاب کے مباحث اربعہ (اللغۃ' الاعراب' الرسم اور الضبط) میں سے زیر مطالعہ مبحث کو ظاہر کرتا ہے۔ یعنی علی الترتیب اللغۃ کیلئے ۱' الاعراب کیلئے ۲' الرسم کیلئے ۳' اور الضبط کیلئے ۴ کا ہندسہ لکھا گیا ہے۔ بحث اللغۃ میں چونکہ متعدد کلمات زیر بحث آتے ہیں اس لئے یہاں حوالہ کی مزید آسانی کے لئے نمبر ا کے بعد قوسین (بریکٹ) میں متعلقہ کلمہ کا ترتیبی نمبر بھی دیا جاتا ہے۔ مثلاً ۲:۵:۱(۳) کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث اللغۃ کا تیسرا لفظ اور ۲:۵:۳ کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث الرسم۔ وھٰکذا۔

۲ : ۶۲ : ۱(۷) [فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ]

بالکل نیا (پہلی دفعہ آنے والا) لفظ تو اس عبارت میں "المرء" ہے' باقی کلمات کا اصل مادہ یا موجودہ صورت ہی پہلے گزری ہے۔ تفصیل یوں ہے:

① "فَيَتَعَلَّمُوْنَ" (پس وہ سیکھتے ہیں۔) اس صیغہ فعل کا مادہ "ع ل م" اور وزن (ابتدائی "فا" نکال کر) "يَتَفَعَّلُوْنَ" ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد (علِم یعلَم = جاننا) پر البقرہ: ۱۳ [۲ : ۱۰ : ۱(۳)] میں بات ہو چکی ہے۔ "يَتَعَلَّمُوْنَ" اس مادہ سے باب تفعّل کا فعل مضارع معروف جمع مذکر غائب ہے۔ باب تفعل سے فعل "تَعَلَّمَ ..... يَتَعَلَّمُ تَعَلُّمًا" کے معنی ہیں "...... کو سیکھنا" یعنی "کسی چیز کی تعلیم حاصل کرنا۔" یہ فعل متعدی ہے تاہم اردو میں اس کے مفعول پر "کو" نہیں لگتا کیونکہ فعل "سیکھنا" کا

© rasailojaraid.com

مفعول اُردو میں بنفسہٖ آتا ہے۔ یہاں بھی فعل مضارع (يَتَعَلَّمُوْنَ) کا ترجمہ بیانِ قصہ کی مناسبت سے فعل ماضی میں (سیکھتے تھے۔ سیکھ لیتے تھے وغیرہ سے) کیا جا سکتا ہے۔ قرآنِ کریم میں باب تفعل کے اس فعل سے صرف یہی ایک صیغہ فعل (يَتَعَلَّمُوْنَ) صرف اسی زیرِ مطالعہ آیت (البقرہ : ۱۰۲) میں ہی دو بار آیا ہے۔

۲ "مِنْهُمَا" (ان دونوں سے) تثنیہ کی ضمیر مجرور (هُمَا) یہاں ان دو فرشتوں (الْمَلَكَيْن) کے لئے ہے جن کا اوپر ذکر ہوا ہے۔ "مِنْ" حرف الجر ہے۔

۳ "مَا" (وہ جو کہ) بعض نے "مَا" موصولہ کا وضاحتی ترجمہ "وہ چیز جو' وہ جادو جو' وہ سحر جو' وہ باتیں جو" کی صورت میں کر دیا ہے جو مفہوم کا تقاضا ہے۔

۴ "يُفَرِّقُوْنَ" (وہ جدائی ڈال دیتے ہیں) اس کا مادہ "ف ر ق" اور وزن "يُفَعِّلُوْنَ" ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد (فَرَقَ يفرِق = پھاڑنا' ڈرنا) کے معنی و استعمال کی بات البقرہ : ۵۰ [۲ : ۳۲ : ۱(۱۰)] میں ہوئی تھی۔ یہ لفظ (يُفَرِّقُوْنَ) اس مادہ سے باب تفعیل کا مضارع معروف صیغہ جمع مذکر غائب ہے۔ اس فعل "فَرَّقَ ...... يُفَرِّقُ تَفرِيقًا" کے معنی ہوتے ہیں "..... الگ کر دینا' کو بکھیر دینا' جدا کر دینا"۔ یہ فعل متعدی ہے اور اس کا مفعول بنفسہٖ آتا ہے جیسے "فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ" (الروم :۳۲) میں ہے یعنی "انہوں نے اپنے دین کو الگ الگ کر دیا' بکھیر دیا" یا "دین میں تفرقہ ڈالا" اور اسی سے کہتے ہیں "فَرَّقَ الشَّعرَ" (اس نے بالوں میں مانگ نکالی) یہ استعمال قرآنِ کریم میں نہیں آیا۔ اسی سے اس فعل میں "دو چیزوں کو ایک دوسرے سے جدا کرنا یا ان میں جدائی ڈال دینا" کا مفہوم پیدا ہوتا ہے مگر اس استعمال میں اس فعل کے بعد "بَيْنَ" (کے درمیان) ضرور آتا ہے (اور "بَيْنَ" کے بعد وہ دونوں چیزیں جن میں جدائی ڈال دی جائے بطور مضاف الیہ آتی ہیں) اسی ("بَيْنَ" والے) استعمال میں اس فعل کے معنی "........ میں تمیز کرنا یا .... کے درمیان فرق روا رکھنا" بھی ہوتے ہیں اور یہی فعل بعض دیگر معانی مثلاً "تقسیم کرنا (عَلٰی یا فِی کے صلہ کے ساتھ) یا خوف دلانا" کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے مگر یہ استعمال بھی قرآنِ کریم میں نہیں آیا۔ قرآنِ کریم میں اس فعل سے مختلف صیغے ۹ جگہ آئے ہیں۔ ان میں سات جگہ تو یہ "بَيْنَ" والی ترکیب سے (جدائی ڈالنا' تفرقہ پیدا کرنا' فرق کرنا کے معنی میں) استعمال ہوا ہے اور دو جگہ مفعول بنفسہٖ کے ساتھ ("ایک ہی چیز کے حصے بخرے کر دینا" کے معنی میں) آیا ہے۔ یہاں بھی (بیانِ قصہ کی بناء پر) اس فعل کا ترجمہ بصورتِ ماضی کیا جا سکتا ہے یعنی "جدائی ڈال دیتے تھے" تاہم

© rasailojaraid
© rasailojaraid
© rasailojaraid

چونکہ وہ یہ کام کرتے چلے آئے ہیں اور اب بھی کرتے ہیں اس لئے ہی عبارت میں صیغہ مضارع استعمال ہوا ہے۔

⑤ "بِهٖ" (اس کے ذریعے، اس کے ساتھ) یہاں "باء" سببیہ ہے اور ضمیر مجرور "ہ" "مَا" (یَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا "مَا" والا) موصولہ کی ضمیر عائد ہے۔ اس کا ترجمہ ہے (وہ چیز) "جس سے / جس کے ذریعے"

⑥ "بَیْنَ...." (..... کے درمیان) اس کلمہ ظرف کے معنی اور استعمال پر البقرہ :٦٦ [٢:٤٢:١(٥)] میں مفصل بات ہو چکی ہے۔

⑦ "....المَرْءِ" (مرد کے.....) یہ لفظ یہاں مذکورہ بالا ظرف (بَیْنَ کا پہلا مضاف الیہ ہے (دوسرا آگے آرہا ہے)۔ کلمہ "المرء" کا مادہ "م ر ء" اور وزن (لام تعریف کے بغیر) "فَعْلٌ" ہے (لفظ "المرء" عبارت میں مجرور بالاضافہ آیا ہے) اس مادہ سے فعل مجرد "مَرَأَ وَمَرِئَ یَمْرَأُ" (باب فتح اور سمع سے) اور "مَرُؤَ یَمْرُؤُ" (کرم سے) آتا ہے اور مصدر تینوں صورتوں میں "مَرَاءَةً" ہی رہتا ہے اور تینوں صورتوں میں اس کے معنیٰ "...... خوشگوار اور مزیدار ہونا" ہیں۔ اس کا فاعل عموماً "الطعام" ہوتا ہے مثلاً کہیں گے "مَرَأَ وَمَرِئَ وَمَرُؤَ الطَّعامُ مَراءَةً" (کھانا خوشگوار ہوا۔ یعنی اس کے کھانے میں ذائقے وغیرہ کے لحاظ سے کوئی رکاوٹ نہ تھی بلکہ اسے ذوق و شوق سے کھایا جا سکتا تھا) اسی کا اُردو ترجمہ "پچنا" یا "پچتا ہونا" بھی کیا جاتا ہے اور "مزیدار" ہونا بھی --- یہ فعل بنیادی طور پر لازم ہے اور کبھی یہ (صرف) باب "فَتَحَ" سے متعدی بمعنی "کسی کو خوشگوار لگنا یا پسند آنا" کے معنی بھی دیتا ہے مگر اس صورت میں اس کے ساتھ ہی ایک دوسرا فعل "هَنَأَ یَهْنَأُ" یا هَنِئَ یَهْنَأُ هُنْأً (فتح اور سمع سے) اکٹھا مل کر استعمال ہوتا ہے، معنی اس کے بھی خوشگوار اور مزیدار ہونا ہیں، مثلاً کہتے ہیں "هَنَأَنِی وَمَرَأَنِی الطَّعامُ" (کھانا مجھے رچتا پچتا یعنی مزیدار لگا یا مجھے عمدہ معلوم ہوا) صرف اکیلا "مَرَأَنِی" اس معنی کے لئے استعمال نہیں ہوتا بلکہ اس صورت میں بابِ افعال سے فعل آتا ہے مثلاً کہیں گے "اَمْرَأَنِی الطعامُ" (کھانے نے مجھے مزہ دیا یا مجھے خوشگوار لگا) یہ دو ہم معنی افعال "هَنَأَ" اور "مَرَأَ" کا مل کر استعمال ہونا آگے چل کر سورۃ النساء : ٤ کے معنی سمجھنے میں مدد دے گا۔

● مندرجہ بالا استعمال کے علاوہ صرف بابِ سمع سے فعل "مَرِئَ یَمْرَأُ" کے ایک معنی "عورت جیسی چال ڈھال یا اندازِ گفتگو ہونا" بھی ہیں، مثلاً کہیں گے "مَرِئَ الرَّجلُ"

© rasailojaraid
© rasailojarai

(وہ آدمی عورت کی طرح حرکتیں یا باتیں کرنے لگا) اور صرف باب کَرُم سے "مَرُأَ یَمرُؤُ" کے معنی "جوانمرد اور صاحبِ مروت ہونا" بھی ہوتے ہیں یعنی "مَرُؤَ الرجلُ" (مرد با مروت تھا)

● یہ اس فعل کے استعمال کی چند صورتیں ہیں۔ تاہم قرآنِ کریم میں اس فعل سے کسی طرح (نہ مجرد نہ مزید فیہ) کا کوئی صیغہ فعل کہیں استعمال نہیں ہوا --- البتہ مندرجہ بالا پہلے معنی (کھانے کا خوشگوار 'مزیدار ہونا) سے مشتق دو لفظ سورۃ النساء : ۴ میں آئے ہیں 'ان پر حسب موقع بات ہو گی۔

● زیر مطالعہ لفظ "المَرء" اسی مادہ سے ماخوذ ایک لفظ ہے اور اس کے معنی "مرد" (الرجل) ہوتے ہیں جس کی مؤنث "المرأۃ" ہوتی ہے۔ بصورت مذکر نکرہ یہ لفظ عموماً "اِمْرُؤٌ" استعمال ہوتا ہے اور اس لفظ کی ایک عجیب خصوصیت یہ ہے کہ اس کے اعراب میں صرف آخری ایک حرف میں نہیں بلکہ آخری دو حرفوں میں تبدیلی آتی ہے مثلاً رفع میں "اِمْرُؤٌ" نصب میں "اِمْرَأً" اور جر میں "اِمْرِئٍ" ہو جاتا ہے۔ قرآنِ کریم میں یہ لفظ بصورتِ نکرہ ان تینوں اعراب کے ساتھ استعمال ہوا ہے (مثلاً رفع کے لئے دیکھئے النساء : ۱۷۶ 'نصب کے لئے دیکھئے مریم : ۲۸ اور جر کے لئے دیکھئے النور : ۱۱) اگرچہ بعض اہل عرب تینوں حالتوں میں اس کی "ر" کو مفتوح (رَ) اور بعض تینوں حالتوں میں "ر" کو مضموم (رُ) ہی بولتے ہیں تاہم قرآنِ کریم میں یہ لفظ بصورت نکرہ "ڈبل اعرابی تبدیلی" کے ساتھ ہی استعمال ہوا ہے۔

● لفظ "اِمْرُؤٌ" اور اس کی تانیث "اِمْرَأَۃٌ" (جس کی "ر" اور ہمزہ (ء) تینوں صورتوں میں مفتوح ہی رہتے ہیں 'تبدیلی صرف آخری تائے تانیث میں آتی ہے) ---- ان دونوں لفظوں کا ابتدائی ہمزہ ہمزۃ الوصل ہے یعنی "ابن" اور "اسم" کی طرح ہے کہ پہلے "وَ" وغیرہ لگنے سے اسے ملا کر پڑھتے وقت یہ ہمزہ لکھا تو جاتا ہے مگر تلفظ سے ساقط ہو جاتا ہے جیسے "وَامْرُءٌ 'وَابْنٌ یا وَاسْمٌ" میں ہوتا ہے۔

● البتہ ان دونوں لفظوں پر اس (ہمزۃ الوصل والی) شکل میں لام تعریف نہیں لگتا یعنی "الِامْرُءُ" یا "الِامْرَأَۃُ" استعمال نہیں ہوتا۔ بلکہ اس صورت میں یہ لفظ "المَرْءُ" اور "المَرْأَۃُ" کی صورت میں استعمال ہوتے ہیں۔ قرآنِ کریم میں اس کی صرف مذکر شکل "المَرْءُ" چار جگہ استعمال ہوئی ہے جن میں سے ایک یہ زیر مطالعہ مقام بھی ہے۔ عورت کے لئے معرّف باللّام لفظ "المَرْأَۃ" کہیں نہیں آیا بلکہ عورت کے لئے وہی ہمزہ

© rasailojarai
© rasailojarai

الوصل والی نکرہ صورت ہی ہر جگہ استعمال ہوئی ہے۔ عام عربی میں یہ دوسری صورت (ہمزۃ الوصل کے بغیر والی) بصورت نکرہ "مَرْءٌ" اور "مَرْأَةٌ" بھی استعمال ہوتی ہے مگر یہ صورتِ نکرہ بھی قرآن میں استعمال نہیں ہوئی۔

● لفظ "اِمْرُءٌ" یا "مَرْءٌ" کی جمع "رِجالٌ" اور "اِمْرَأَةٌ" یا "مَرْأَةٌ" کی جمع "نِسَاءٌ" یا "نِسْوَةٌ" آتی ہے۔ یعنی دونوں کلمات کی جمع مکسر اپنے اصل لفظ سے نہیں بنتی۔ بعض عربی ڈکشنریوں میں لکھا ہے کہ لفظ "امرؤٌ" عورت کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ گویا یہ لفظ انگریزی کے "person" والے معنی بھی رکھتا ہے۔

● قرآنِ کریم میں لفظ "امرءٌ" مختلف اعرابی حالتوں میں کل سات جگہ آیا ہے اور "امرأةٌ" واحد و تثنیہ کی شکل میں (مفرد یا مرکب) کل ۲۶ جگہ آیا ہے۔

(۸) "وَزَوْجِهٖ" (اور اس کی بیوی کے.....) "وَ" یہاں عطف کے لئے ہے' آخری ضمیر مجرور "ہ" (بمعنی اس کا) ہے اور کلمہ "زَوْج" کے مادہ اور فعل وغیرہ کے استعمال پر اور خود لفظ "زوج" کے معنی پر البقرہ :۲۵ [۲:۱۸:۱:(۹)] میں مفصل بات ہو چکی ہے۔

● مفردات کی مندرجہ بالا وضاحت اور تراجم کی روشنی میں اس زیرِ مطالعہ عبارت (فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ) کا لفظی ترجمہ بنے گا: "پس وہ سیکھتے ہیں ان دونوں سے وہ (چیز) جو کہ جدائی ڈالتے ہیں اس (جس) کے ذریعے درمیان مرد اور اس کی بیوی کے۔" اُردو میں اسے سلیس بنانے کے لئے اُردو فقرے کی ساخت کے مطابق بعض الفاظ کی تقدیم و تاخیر سے کام لینا پڑے گا مثلاً "وہ ان دونوں سے وہ (چیز) سیکھتے ہیں جس سے وہ مرد اور اس کی بیوی --- یا میاں بیوی --- میں جدائی ڈالتے ہیں"۔ بعض نے "يُفَرِّقُونَ" کا ترجمہ بصورت مضارع "جدائی ڈالیں" ہی رہنے دیا ہے۔ بعض نے "بَيْنَ" کا ترجمہ دو دفعہ کیا ہے یعنی "مرد میں اور اس کی عورت میں" --- کیونکہ اصل مقدّر عبارت "بَيْنَ الْمَرْءِ وَبَيْنَ زَوْجِهٖ" ہے۔ "بَيْنَ" کے بعد دو مضاف الیہ ہوتے ہیں' اگر وہ دونوں مضاف الیہ ضمیریں ہوں تو لفظ "بَيْنَ" مکرر (دوبار) آتا ہے کیونکہ ضمیر کا ضمیر میں اس طرح عطف نہیں ہوتا مثلاً "بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ" (الممتحنہ: ۴) یعنی "ہمارے اور تمہارے درمیان" اور اگر کوئی اسم ظاہر اس کا مضاف الیہ ہو رہا ہو تو لفظ "بَيْنَ" ایک ہی دفعہ استعمال ہوتا ہے۔ دوسری جگہ مقدر (Understood) ہوتا ہے۔ افعال "يَتَعَلَّمُونَ" اور "يُفَرِّقُونَ" کے فعل ماضی کی طرح ترجمہ کرنے کی وجہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔

© rasailojarai
© rasailojarai
© rasailojarai

۲ : ۶۲ : ۱(۸) [وَمَا هُمْ بِضَارِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ]
اس عبارت میں نئے لفظ "ضَارِّيْن" اور "اِذْن" ہیں۔ باقی کلمات پہلے گزر چکے ہیں ایسے الفاظ کا صرف ترجمہ یا گزشتہ حوالہ لکھ دیا جائے گا۔
① "وَمَا هُمْ" (اور نہیں ہیں وہ) ویسے یہ تین کلمات ہیں یعنی یہ "وَ" عاطفہ (بمعنی اور) اور "مَا" (حجازیہ نافیہ) دیکھئے [۲ : ۲ : ۱(۵)] اور "هُمْ" ضمیر مرفوع (بمعنی وہ سب) کا مجموعہ ہے۔
② "بِضَارِّيْنَ" اس لفظ کی ابتدائی "باء" (بِ) تو وہ ہے جو "ما" حجازیہ نافیہ کی خبر پر آتی ہے۔ اُردو میں اس کا الگ کوئی ترجمہ نہیں کیا جا سکتا اور عربی گرامر میں اسے "باء زائدہ" بھی کہتے ہیں۔ اس پر استعاذہ میں اور پھر البقرہ : ۴۵ [۲ : ۳۰ : ۱(۱)] میں بات ہوئی تھی (یعنی "بِ" کے استعمالات پر)۔ کلمہ "ضَارِّيْنَ" کا مادہ "ض ر ر" اور وزن "فَاعِلِيْنَ" ہے یعنی یہ دراصل "ضَارِرِيْنَ" تھا پھر پہلی "ر" ساکن کر کے دوسری "ر" میں مدغم کر دی جاتی ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد "ضَرَّ ... يَضُرُّ ضَرًّا وَ ضُرًّا وَ ضَرَرًا" (باب نصر سے) آتا ہے اور اس کے معنی ہیں "...... کو نقصان پہنچانا' .... کا نقصان کرنا' ..... کا کچھ بگاڑ دینا' .... کو تکلیف' مصیبت' بُرائی یا ضرر پہنچانا۔" لفظ "ضرر" خود اُردو میں رائج ہے۔
● یہ فعل متعدی ہے اور اس کا مفعول بنفسہٖ بھی آتا ہے اور "بِ" کے صلہ کے ساتھ بھی' مثلاً کہتے ہیں "ضَرَّهٗ وَضَرَّبِهٖ" (اس نے اسے نقصان پہنچایا) تاہم قرآنِ کریم میں یہ فعل ہر جگہ بغیر صلہ کے استعمال ہوا ہے۔ اس فعل کا مفعول ایک ہی ہوتا ہے تاہم قرآنِ کریم میں بعض مقامات پر اس فعل کے مفعول کے بعد "شَيْئًا" (کوئی چیز) اس طرح آیا ہے کہ گویا وہ "مفعول ثانی" ہے مگر نحوی اسے "مفعولِ مطلق" (ضَرًّا) کے طور پر لیتے ہیں اور یہ (شَيْئًا) بعض اور افعال (يَعْلَمُوْنَ' يَنْفَعُوْنَ وغیرہ) کے ساتھ بھی اِسی طرح بطورِ مفعول مطلق استعمال ہوا ہے ---- قرآن کریم میں صرف ایک جگہ (الشعراء : ۷۳) میں فعل "يَضُرُّوْنَ" کا مفعول محذوف (غیر مذکور) آیا ہے جو وہاں ما قبل فعل پر عطف سے فوراً سمجھا جا سکتا ہے۔
● قرآنِ کریم میں اس فعل مجرد سے مختلف صیغہ ہائے فعل ۱۹ جگہ آئے ہیں۔ مجرد کے علاوہ مزید فیہ کے باب مفاعلہ اور افتعال سے بھی فعل کے کچھ صیغے دس جگہ وارد ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ مجرد اور مزید فیہ کے بعض مصادر اور مشتقات (ضَرّ' ضُرّ' ضَرر'

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

ضِرار ' ضَارّ ' ضَرَّاء ' مُضَارّ اور مضطر وغیرہ) ۳۶ جگہ آئے ہیں۔ ان پر حسب موقع بات ہوگی۔ البتہ یہاں ایک بات کی طرف اشارہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ بعض کتب لغت {۱} میں بیان ہوا ہے کہ یوں تو اس فعل کے دو مصدر ضَرٌّ (بالفتح) اور ضُرٌّ (بالضم) ہم معنی ہیں تاہم جب نفع اور نقصان (ضر) کا اکٹھا ذکر ہو تو لفظ "ضَرّ" (بالفتح) استعمال ہوتا ہے اور یہ استعمال "ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا" وغیرہ کی شکل میں قرآنِ کریم میں دس جگہ آیا ہے۔ اگر صرف اکیلا "ضُرّ" ہو تو پھر وہ بالضم ہی آتا ہے اور اس استعمال کی مثالیں قرآنِ کریم میں انیس (۱۹) جگہ آئی ہیں۔ دونوں لفظ مصدر (نقصان کرنا) بھی ہیں اور اسم (بمعنی نقصان ' ضرر) بھی۔

● زیر مطالعہ لفظ "ضَارِّین" اس فعل مجرد سے اسم الفاعلین (مجرور) ہے اور اس لحاظ سے اس کا ترجمہ "نقصان پہنچانے والے ' نقصان کرنے والے ' کچھ بگاڑ دینے والے یا ضرر (تکلیف ' مصیبت وغیرہ) میں ڈالنے والے" ہوگا۔ عبارت کے اندر اس کا ترجمہ بطورِ مصدر فعل بھی کیا گیا ہے جس پر ابھی آخر میں بات ہوگی۔

③ "بِہٖ" (اس کے ذریعے سے ' اس کے سبب سے ' اس سے ' اس کے ساتھ) یہاں بھی باء سببیہ ہے (دیکھئے اوپر "یفرِّقُون بہٖ" میں)۔ آخری ضمیر مجرور برائے واحد غائب مذکر ہے جو مختلف حالات میں "ہٗ ' ہٖ ' ہِ اور ہُ" کی صورت میں پڑھی جاتی ہے (مثلاً کِتَابُہٗ ' رَسُوْلِہٖ ' عَلَیْہِ اور مِنْہُ میں)

④ "مِنْ اَحَدٍ" (کسی ایک بھی کو ' کسی ایک کو بھی) "مِنْ" (میں سے) یہاں تبعیضیہ ہے جو بعض دفعہ نکرہ پر اس کو مزید "نکرہ تر" بنانے کے لئے استعمال ہوتا ہے یعنی اس کے عموم کی تنصیص (قطعیت) یا تاکید کے لئے آتا ہے (دیکھئے [۲ : ۲ : ۱(۵)] اور یہ استعمال قرآنِ کریم میں بہت عام ہے۔ دوسرے لفظ "اَحَد" (بمعنی کوئی ایک) میں بھی عموم نکرہ کا مفہوم موجود ہے۔ اس لفظ کے معنی اور استعمال پر مفصل بحث البقرہ : ۹۶ [۲ : ۵۹ : ۱(۵)] میں گزر چکی ہے۔ اور اس ترکیب (مِنْ اَحَدٍ) پر مزید بات آگے "الاعراب" میں آئے گی کیونکہ بظاہر اس کا لفظی ترجمہ بنتا ہے "کسی ایک بھی میں سے"۔ "الاعراب" میں اس کے مندرجہ بالا بامحاورہ ترجمہ کی وجہ سامنے آئے گی۔

⑤ "اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ" (مگر ساتھ اللہ کے حکم کے ' اللہ کے حکم کے بغیر) یہ عبارت چار

{۱} مثلاً البستان ' اللسان اور Lane۔

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

کلمات "اِلَّا + بِ + اِذْنِ + اللّٰہِ" کا مرکب ہے۔ کلمہ استثناء "اِلَّا" ("مگر" جو اکثر "بغیر" اور "کے سوا" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے) اس کے معنی و استعمال پر قدرے مفصل بات البقرہ :۹[۲ :۹ :۱(۴)] میں ہوئی تھی۔ "باء" (بِ) کے مختلف معانی اور استعمالات استعاذہ نیز البقرہ :۴۵[۲ :۳۰ :۱(۱)] میں دیکھئے۔ اسم جلالت "اللّٰہ" کی لغوی بحث "بِسْمِ اللّٰہ" میں گزری تھی۔ کلمہ "اِذْن" جو اسی مادہ (اذن) سے "فِعْل" کے وزن پر اس سے فعل مجرد ("اَذِنَ یَاْذَنُ اِذْنًا" ۔اجازت دینا) کا ایک مصدر ہے اس فعل کے باب معنی وغیرہ پر پہلی دفعہ البقرہ :۱۹[۲ :۱۴ :۱(۹)] میں کلمہ "آذانِہِم" کے ضمن میں بات ہوئی تھی۔ "اِذن" کے اصل معنی تو "اجازت" ہی ہیں مگر یہاں سیاقِ عبارت کی بناء پر اس کا ترجمہ "حکم" یا "ارادہ" کیا گیا ہے۔ لفظ "اِذن" قرآنِ کریم میں چالیس کے قریب مقامات پر آیا ہے اور ہر جگہ اسی طرح باء الجر (بِ) کے ساتھ اور لفظ "اللّٰہ" یا اس کے لئے کسی ضمیر یا ہم معنی لفظ (مثلاً "ربّہ") کی طرف مضاف ہو کر استعمال ہوا ہے۔

● مفردات کی مندرجہ بالا وضاحت کے بعد زیر مطالعہ عبارت (وَمَاھُمْ بِضَارِّیْنَ بِہٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ) کا لفظی ترجمہ یعنی اصل بنیادی مفہوم یوں بنتا ہے "اور نہیں ہیں وہ (ہرگز) نقصان یا ضرر پہنچانے والے' اس کے ذریعے کسی ایک بھی میں سے (کو) مگر ساتھ حکم اللہ تعالیٰ کے" ----اس کی سلیس عبارت اُردو میں ہوگی : "اور وہ اللہ کے حکم کے سوا (بغیر) اس (جادو) کے ذریعے کسی ایک کو بھی نقصان پہنچانے والے نہیں ہیں۔" بیشتر مترجمین نے یہاں اُردو محاورے کی بنا پر "بِضَارِّیْنَ" کا ترجمہ اسم فاعل کے ساتھ کرنے کی بجائے فعل مضارع کی شکل میں اور "مَا" نافیہ کو ساتھ ملا کر "نہیں بگاڑ سکتے' نقصان نہیں کر سکتے' ضرر نہیں پہنچا سکتے" کی صورت میں کیا ہے یعنی "لَا یَضُرُّوْنَ" کی طرح ---- مگر اس میں فعل "سکنا" اس لئے لانا پڑا کہ یہاں ان کے "ارادۂ ضرر" کی نفی نہیں کہ وہ نقصان پہنچانا چاہتے ہیں بلکہ ان کی "استطاعتِ ضرر" (نقصان پہنچا سکنے کی قوت) کی نفی ہے اور اس لئے آگے "اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ" آیا ہے اور اسی لئے اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ میں "النَّافع" اور "الضَّار" بھی آئے ہیں' اس لئے کہ نفع و نقصان درحقیقت اسی کے ہاتھ میں ہے اور یہ مضمون قرآنِ کریم میں بتکرار اور مختلف اسالیب کے ساتھ بیان ہوا ہے اور عقیدۂ توحید کی بنیاد ہے۔ اسی طرح "مِنْ اَحَدٍ" کا ترجمہ "کسی ایک کو بھی" سے کیا گیا ہے۔ یہ زور اور تاکید خود لفظ "اَحَد" اور پھر اس پر "مِنْ" لگانے سے پیدا ہوا ہے۔

© rasailojaraid.

۲ : ۶۲ : ۱(۹) [وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ]

نیا لفظ (پہلی دفعہ آنے والا) اس میں "لَا يَنْفَعُ" ہے۔ جس پر ابھی آگے بات ہو گی۔ باقی کلمات کے ترجمہ اور گزشتہ حوالہ پر اکتفا کیا گیا ہے۔

① "وَيَتَعَلَّمُونَ" (اور وہ سیکھتے ہیں / تھے) یہ فعل بلکہ یہی صیغہ فعل ابھی اوپر (نمبرے میں) گزر چکا ہے۔

② "مَا" (وہ جو کہ / وہ چیز جو کہ) "مَا" موصولہ اسی آیت زیر مطالعہ میں تین دفعہ گزر چکا ہے۔

③ "يَضُرُّهُمْ" (نقصان پہنچاتا ہے ان کو) فعل "ضَرَّ يَضُرُّ ضَرًّا" (نقصان پہنچانا) پر ابھی اوپر "بِضَارِّيْنَ" کے سلسلے میں مفصل بات ہوئی ہے۔ فعل "يَضُرُّ" کا اصلی وزن "يَفْعُلُ" اور اصلی شکل "يَضْرُرُ" ہے جس میں پہلی "ر" ساکن ہو کر دوسری "ر" میں مدغم ہو جاتی ہے۔

④ "وَلَا يَنْفَعُهُمْ" (اور نہیں نفع دیتا / فائدہ پہنچاتا ان کو) یہ "وَ" عاطفہ (اور) + "لَا" نافیہ (نہیں) + "يَنْفَعُ" جس پر ابھی بات ہو گی + "هُمْ" (ضمیر منصوب بمعنی "ان کو") کا مرکب ہے۔ "يَنْفَعُ" کا مادہ "ن ف ع" اور وزن "يَفْعَلُ" ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد "نَفَعَ ... يَنْفَعُ نَفْعًا" (فتح سے) آتا ہے اور اس کے معنی ہیں "..... کو فائدہ پہنچانا' نفع دینا' ...... کا فائدہ کرنا۔" خود لفظ "نفع" اور "نافع" (اسم الفاعل بمعنی نفع بخش) اُردو میں مستعمل ہیں۔ یہ فعل بھی متعدی اور ہمیشہ مفعول بنفسہٖ کے ساتھ آتا ہے جیسے زیر مطالعہ عبارت میں۔ "لَا يَنْفَعُهُمْ" میں "هُمْ" ضمیر منصوب مفعول بہٖ ہے۔ قرآنِ کریم میں صرف ایک جگہ (سبا : ۲۳ میں) اس کے مفعول پر لام الجر (لِ) بطور صلہ آیا ہے۔ اور تین جگہ اس کا مفعول محذوف ہوا ہے۔ فعل "نَفَعَ" اور "ضَرَّ" (جو ابھی اوپر گزرا ہے) ایک دوسرے کی ضد ہیں اور "نَفْعٌ" اور "ضَرٌّ" ایک دوسرے کی ضد ہیں (خیر اور شر کی طرح) "الضَّارّ" کی طرح "النَّافِع" بھی اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ میں سے ہے کیونکہ دراصل "نفع یا نقصان" حقیقت میں تو صرف اسی کے ہاتھ میں ہے۔ قرآنِ کریم میں اس فعل مجرد (نفَع ینفَع) سے مختلف صیغہ ہائے فعل کل ۳۱ جگہ آئے ہیں اور اس کے مصدر و مشتقات (نفع' منافع وغیرہ) بھی ۱۱ جگہ آئے ہیں۔

● زیر مطالعہ عبارت "وَلَا يَنْفَعُهُمْ" پورا جملہ فعلیہ ہے جس میں "لَا يَنْفَعُ" فعل مضارع معروف منفی مع ضمیر الفاعل "هُوَ" ہے اور اس کا ترجمہ ہو گا "اور نہیں نفع دیتا /

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

دے گا۔ نہیں فائدہ پہنچاتا ان کو"۔

● یوں پوری زیر مطالعہ عبارت (وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ) کا اصلی لفظی ترجمہ تو بنتا ہے "اور وہ سیکھتے ہیں وہ جو نقصان پہنچاتا ہے ان کو اور نہیں فائدہ پہنچاتا ان کو"------اس کی سلیس اُردو تو یوں ہو سکتی ہے "اور وہ اس چیز کو سیکھتے ہیں جو ان کو نقصان پہنچاتی ہے (یا پہنچائے گی) اور ان کو فائدہ نہیں پہنچاتی (پہنچائے گی)"۔ افعال "يَضُرُّ" اور "لَا يَنْفَعُ" کا بامحاورہ ترجمہ بعض حضرات نے "نقصان پہنچا سکتی اور نفع نہیں پہنچا سکتی" سے کیا ہے۔ یعنی یہ ان کی استطاعت سے باہر ہے۔ بعض نے مزید بامحاورہ کرتے ہوئے "جس سے ان کو نقصان ہے اور نفع نہیں" سے ترجمہ کیا ہے یعنی فعلیہ کی بجائے جملہ اسمیہ سے ترجمہ کر دیا ہے جو بہرحال مفہوم اور محاورہ کے لحاظ سے درست ہے۔ بعض نے "فائدہ نہیں" کے ساتھ "کچھ" کا اضافہ کیا ہے یعنی "کچھ فائدہ نہیں دیتا" اصل عبارت میں "شَيْئًا" نہیں ہے مگر بطور محاورہ و مفہوم یہ درست سمجھا جا سکتا ہے۔ اسی طرح بعض نے "جس میں نقصان ہی نقصان ہے فائدہ کچھ نہیں" سے ترجمہ کر دیا جو محاورے کے زور میں اصل عبارت سے بہت دور چلے گئے ہیں۔ اور جن حضرات نے "فائدہ نہیں پہنچتا" سے ترجمہ کیا ہے وہ بھی درست نہیں کیونکہ فعل "نَفَعَ" متعدی ہے' لازم نہیں۔

© rasailojaraid.com

۲ : ۶۲ : ۱(۱۰) [وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ]

اس عبارت میں بلحاظ "معنی" نیا لفظ "خَلَاق" ہے۔ تفصیل یوں ہے :

① "وَلَقَدْ" (اور البتہ' تحقیق۔ بے شک۔ ضرور ہی) "لَقَدْ" کے ابتدائی حرف تاکید "لَ" (لام مفتوحہ) پر البقرہ : ۶۴ [۲ : ۴۱ : ۱(۶)] میں اور حرفِ تحقیق "قَدْ" کے استعمال وغیرہ پر البقرہ : ۶۰ [۲ : ۳۸ : ۱(۸)] میں بات ہوئی تھی۔

② "عَلِمُوا" (اُنہوں نے جان لیا۔ ان کو معلوم تھا) فعل "عَلِمَ يَعْلَمُ۔ جان لینا" پہلی دفعہ البقرہ : ۱۳ [۲ : ۱۰ : ۱(۳)] میں گزرا ہے۔

③ "لَمَنْ" (البتہ جو بھی کہ' ضرور جو کوئی بھی کہ) اس کی ابتدائی لام مفتوحہ (لَ) وہی لام تاکید ہے جس کا گزشتہ حوالہ تشریح اوپر "لَقَدْ" میں گزرا ہے اور "مَنْ" اسم موصول بمعنی "وہ جو کہ" ہے۔ اس کے استعمال اور معنی وغیرہ پر البقرہ : ۸ [۲ : ۷ : ۱(۴)] میں مفصل بحث ہوئی تھی۔ یہاں "مَنْ" کو آگے ملانے کے لئے "ن" کو کسرہ (ـِ) دی گئی

© rasailojaraid.com

ہے، حرف الجر "مِنْ" کو آگے ملاتے وقت "ن" کو فتحہ (ـَ) دی جاتی ہے۔

④ "اِشْتَرَاہُ" (اس نے خریدا اُس (چیز) کو آخری ضمیر منصوب "ہ" بمعنی "اس کو" ہے اور ابتدائی فعل "اشتریٰ" ("ہُ" میں "یاء" کا نبرہ یا دندانہ فعل کی اسی آخری "ی" کا ہے جو بصورت الف پڑھی جاتی ہے) جو "ش ر ی" مادہ سے "اِفْتَعَلَ" کے وزن پر صیغہ ماضی ہے بمعنی "اس نے خرید کیا"۔ مزید فیہ کے اس فعل پر مکمل بحث البقرہ: ۱۶[۲:۱۲:۱(۱)] میں صیغہ فعل "اشْتَرَوْا" کے ضمن میں گزری ہے۔

⑤ "مَالَہٗ" (نہیں ہے / ہوگا اس کے لئے / اس کا) یہاں "مَا" نافیہ (بمعنی "نہیں") ہے اور "لَہٗ" کی ابتدائی لام یہاں لام الجر (بمعنی "کے لئے") ہے جو ضمیروں کے ساتھ مفتوح ہو کر آتی ہے ورنہ دراصل وہ مکسور (لِ) ہوتی ہے اور یہ "کا / کے / کی" کا مفہوم بھی دیتی ہے۔ آخری ضمیر مجرور "ہ" یہاں بمعنی "اس" ہے۔

⑥ "فِی الْاٰخِرَۃِ" (آخرت میں)۔ حرف الجر "فِی" کے معانی و استعمالات البقرہ: ۲[۲:۱:۱(۵)] میں اور پھر البقرہ: ۲۰[۲:۱۴:۱(۵)] میں دوبارہ بیان ہوئے تھے۔ کلمہ "الْاٰخِرَۃ" کے مادہ اور اشتقاق کے علاوہ اس کے لغوی اور اصطلاحی معنی پر البقرہ: ۴[۲:۳:۱(۵)] میں بالتفصیل بات ہوئی تھی۔ لفظ "آخرت" اپنے اصطلاحی معنی میں اُردو فارسی میں رائج اور مستعمل ہے۔

© rasailojaraid.com

⑦ "مِنْ خَلَاقٍ" (کچھ بھی حصہ، کچھ حصے میں سے بھی) اس کا ابتدائی "مِنْ" ان ہی معنی (نکرہ کی تنصیص یعنی اس میں قطعیت اور تاکید کے معنی پیدا کرنا) کے لئے ہے جو ابھی اوپر "مِنْ اَحَدٍ" میں گزرے ہیں۔

لفظ "خَلَاق" کا مادہ "خ ل ق" اور وزن "فَعَال" ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد "خلَق یخلُق = پیدا کرنا" کے باب اور معنی وغیرہ پر البقرہ: ۲۱[۲:۱۶:۱(۳)] اور پھر البقرہ: ۲۹[۲:۲۰:۱(۶)] میں بات ہوئی تھی۔ زیر مطالعہ لفظ اسی فعل اور مادہ سے ماخوذ لفظ ہے اور اس کے معنی "نصیب یا حصہ" ہیں۔ لفظ "خلق" میں بنیادی مفہوم صحیح اندازہ لگانا (التقدیر المستقیم) ہے اس لئے "خَلَاق" (نصیب اور حصہ) میں بھی ایک طرح سے "کسی صحیح اندازے سے مقرر کردہ حصہ" کا مفہوم ہے۔ عموماً اس کا استعمال کسی اچھی چیز (بھلائی اور خیر) میں سے حصے کا ہوتا ہے۔ یہ لفظ قرآنِ کریم میں مفرد مرکب مختلف شکلوں میں چھ جگہ استعمال ہوا ہے اور آخرت میں حصہ نہ ہونے کا مطلب آخرت کی بھلائیوں، نعمتوں میں کوئی حصہ نہ ہونا ہے۔ اس "مِنْ خَلَاق" کی ترکیب پر بھی مزید

© rasailojaraid.com

بحث آگے "الاعراب" میں آئے گی۔

● یوں اس زیر مطالعہ عبارت (وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ) کا لفظی ترجمہ بنتا ہے "اور بے شک ضرور ہی جان لیا انہوں نے کہ البتہ جس کسی نے بھی خریدا اس کو (تو) نہیں ہے / ہو گا اس کے لئے آخرت میں کچھ بھی حصہ" ---- جس کی سلیس صورت بنتی ہے (یعنی اردو فقرے کی ساخت کے لحاظ سے) "اور ضرور جان لیا انہوں نے کہ بے شک جس نے بھی اسے خریدا اس کا آخرت میں کچھ بھی حصہ نہیں ہے / ہو گا"۔ یہاں "عَلِمُوا" فعل ماضی کا صیغہ ہے مگر بعض مترجمین نے غالباً "ان کی حالت کے بیان" کی بناء پر اس کا ترجمہ فعل حال سے کیا ہے یعنی "جانتے ہیں" کی صورت میں، بعض نے "جان چکے ہیں" کو اختیار کیا۔ "لَقَدْ" کے ترجمے میں اگرچہ بعض "بے شک، ضرور" وغیرہ لائے ہیں مگر بیشتر مترجمین نے یہاں "لَقَدْ" کا ترجمہ کرنے کی بجائے "عَلِمُوا" کا ترجمہ (اردو محاورے کے مطابق) خوب جان چکے' خوب جانتے ہیں' [illegible] اسی طرح "ان کو معلوم ہے یا انہیں معلوم ہے" بھی "عَلِمُوا" کا بامحاورہ ترجمہ ہے۔ بعض مترجمین نے "مَنْ" شرطیہ موصولہ کے مفہوم کو سامنے رکھتے ہوئے ماضی کے فعل "اشْتَرٰی" کا ترجمہ بھی فعل مستقبل کے ساتھ یعنی "خریدار ہو گا" کیا ہے تاہم اکثر نے ماضی کے ساتھ بصورت "خریدار ہوا' خریدا" (یہ) "سودا لیا" ہی ترجمہ کیا ہے۔ بعض نے اس کا ترجمہ "اختیار کیا" کیا ہے جسے بلحاظ مفہوم ہی درست کہہ سکتے ہیں' ورنہ اصل لفظ سے تو بالکل ہٹ کر ہے۔

۲ : ۶۲ : ۱(۱۱) [وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ]

اِس عبارت کے تمام کلمات پہلے گزر چکے ہیں البتہ بلحاظ معنی و استعمال نیا لفظ اس میں "شَرَوْا" ہے۔ لہٰذا باقی الفاظ کا صرف ترجمہ مع حوالہ لکھنا کافی ہو گا۔

① "وَ" (اور) کو یہاں مستانفہ سمجھنا زیادہ بہتر ہے دیکھئے [۲ : ۷ :۱(۱)]

② "لَبِئْسَ مَا" (بے شک کتنا بُرا / بہت ہی بُرا ہے وہ جو) اس کا ابتدائی لام مفتوحہ "لَ" وہی لام تاکید ہے جو اوپر (۱۰ میں) "لَمَنْ" میں گزرا ہے اور جو پہلی دفعہ [۲ :۲۱ :۱(۶)] میں آیا تھا۔ دوسرا لفظ "بِئْسَ" (بمعنی "کتنا ہی بُرا ہے") فعلِ ذم ہے۔ اس کے استعمال پر البقرہ :۹۰ [۲ :۵۵ :۱(۱)] میں بات ہوئی تھی۔ "مَا" یہاں موصولہ (بمعنی "جو کہ") ہے۔ ویسے پوری یہی ترکیب معمولی فرق کے ساتھ اس سے پہلے البقرہ :۹۰ [۲ :۵۵ :۱(۱)] میں بصورت "بِئْسَمَا" گزر چکی ہے۔ ان دونوں کے "رسم" میں جو فرق ہے

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

اس پر آگے "الرسم" میں بات ہو گی۔

③ "شَرَوْا" اس کا مادہ "ش ر ی" اور وزن اصلی "فَعَلُوْا" ہے۔ اصلی شکل "شَرَيُوا" ہونی چاہئے مگر واو الجمع سے ماقبل حرفِ علت (جو یہاں "ی" ہے) تلفظ اور کتابت سے گر جاتا ہے۔ اور اس سے ماقبل عین کلمہ کی حرکت فتحہ (ـَ) برقرار رہتی ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد "شَرَی یَشْرِی" بمعنی "بیچ دینا" پر البقرہ :۱۶ [۲ :۱۲ :۱(۱)] میں کلمہ "اشْتَرَوْا" کے ضمن میں بات ہو چکی ہے۔ بلحاظ استعمال یہ فعل مجرد یہاں پہلی دفعہ آیا ہے جو فعل ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے اس کا ترجمہ ہے "اُنہوں نے بیچ دیا' بیچ ڈالا۔"

④ "بِهٖ" (اس کے بدلے میں 'اس کے عوض 'جس کے عوض) یہاں باء الجر (بِ) "باء التعویض" ہے۔ اس پر استعاذہ میں اور پھر البقرہ :۴۵ [۲ :۳۰ :۱(۱)] میں بات ہوئی تھی۔ یہاں آخری ضمیر مجرور "ہ" چونکہ اس سے پہلے آنے والے "مَا" موصولہ کے لئے ضمیر عائد ہے اس لئے اس کا ترجمہ "اس" کی بجائے "جس" سے کرنا اُردو محاورے کا تقاضا ہے۔

⑤ "اَنْفُسَهُمْ" (ان کی / اپنی جانوں کو) یہ مرکب اضافی اسی طرح اور ان ہی (حالتِ مفعولی والے) معنی میں پہلی دفعہ البقرہ :۹ [۲ :۸ :۱(۴)] میں آیا تھا۔ اور وہاں اس کی مکمل وضاحت موجود ہے۔

● اس طرح اس زیر مطالعہ عبارت (وَلَبِئْسَ مَاشَرَوْابِهٖ اَنْفُسَهُمْ) کا ترجمہ ہو گا "اور بے شک کتنی ہی بُری وہ (چیز) جو کہ بیچ دیا اُنہوں نے جس کے بدلے اپنی جانوں کو"..... جس کی سلیس عبارت تو بنتی ہے "جس چیز کے عوض اُنہوں نے اپنا آپ بیچ دیا وہ کتنی بُری ہے" تاہم اکثر مترجمین نے الفاظ میں اتنی تقدیم و تاخیر نہیں کی بلکہ اصل عربی عبارت کی ترتیب کے مطابق ہی ترجمہ کیا ہے یعنی لفظی ترجمہ سے قریب رہے ہیں۔ البتہ بعض نے "لَبِئْسَ" کے لام تاکید کا ترجمہ نظرانداز کر کے "بِئْسَ" کا ترجمہ "بہت ہی بُرا / بُری" کی صورت میں کر دیا ہے۔ "مَا" موصولہ کا محاورے کے لحاظ سے وضاحتی ترجمہ ضروری تھا جسے "وہ چیز" "وہ مول" اور "وہ بدلہ" کی صورت میں ظاہر کیا گیا ہے۔

۲ : ۶۲ : ۱(۱۲) [لَوْكَانُوايَعْلَمُوْنَ]

① "لَوْ" (اگر۔ کاش کہ) اس لفظ کے معنی و استعمال پر البقرہ :۲۰ [۲ :۱۵ :۱(۷)] میں بات ہوئی تھی۔ زیر مطالعہ عبارت میں اس کا موزوں ترجمہ "کاش کہ" ہے۔ اگرچہ

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

بعض حضرات نے "لَوْ" شرطیہ کی طرح "اگر" سے بھی ترجمہ کیا ہے۔ اس صورت میں ایک مقدر جوابِ شرط کی ضرورت ہو گی (مثلاً تو ایسا نہ کرتے وغیرہ)

(۳) "کَانُوا" (وہ ہوتے۔ وہ تھے) بعینہٖ یہی صیغہ فعل البقرہ : ۱۰ [۲ : ۸ : ۱(۱۰)] میں پہلی دفعہ آیا تھا جہاں اس کی ساخت' مادہ' تعلیل اور معنی و استعمال پر بات ہوئی تھی۔

(۴) "یَعْلَمُوْنَ" (وہ جانتے ہیں۔ وہ جانتے۔ جان لیتے)۔ فعل علِم یعلَم (جاننا) سے یہی صیغۂ فعل پہلی دفعہ البقرہ : ۱۳ [۲ : ۱۰ : ۱(۳)] میں آیا تھا۔ یہاں "کَانُوا" کے ساتھ لگنے سے اس کے معنی "جانتے ہوتے" ہو گئے ہیں۔ اس پر مزید بات "الاعراب" میں ہو گی۔

● اس پورے جملے کا ترجمہ تو "کاش وہ ہوتے جانتے" بنتا ہے جسے "کاش وہ جانتے" "کاش ان کو سمجھ ہوتی" اور "کاش ان کو عقل ہوتی" کی صورت بھی دی گئی تاہم "سمجھ ہوتی' عقل ہوتی" بظاہر "یَفْقَهُوْنَ" اور "یَعْقِلُوْنَ" کا ترجمہ لگتا ہے۔ اسی طرح "لَوْ" کا ترجمہ شرطیہ (اگر) سے کرتے ہوئے اس کا ترجمہ "اگر وہ جانتے ہوتے 'اگر ان کو سمجھ ہوتی' اگر وہ سمجھتے ہوتے" کی صورت میں کیا گیا ہے۔ یہاں بھی "سمجھنا" والا ترجمہ کو محاورہ اور مفہوم کے لحاظ سے ہی ٹھیک کہہ سکتے ہیں۔ بعض نے "کسی طرح انہیں علم ہوتا" سے ترجمہ کیا ہے جو دراصل "کاش کہ" کی ہی بامحاورہ شکل ہے۔

۲ : ۶۲ : ۱(۱۳) [وَلَوْاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَیْرٌ]

اِس عبارت میں نیا (بلحاظ مادہ و معنی) لفظ "مَثُوْبَة" ہے جس پر ذرا تفصیل سے بات ہو گی۔ باقی کلمات کا ترجمہ اور گزشتہ حوالہ دینا کافی ہو گا۔

(۱) "وَلَوْ" (اور اگر) یہاں "لَوْ" شرطیہ ہی ہے جس کا گزشتہ حوالہ ابھی اوپر گزرا ہے۔ "وَ" اگرچہ یہاں مستانفہ ہے مگر اس کا ترجمہ "اور" ہی کیا جاتا ہے۔

(۲) "اَنَّهُمْ" بظاہر تو اس کا ترجمہ "کہ بے شک وہ" ہونا چاہئے کیونکہ یہ حرفِ مشبہ بالفعل "اَنَّ" اور اس کے اسم (هُمْ۔ ضمیر منصوب) کا مجموعہ ہے۔ تاہم عربی استعمال میں اگر "لَوْ" شرطیہ کے معاً بعد "اَنَّ" ہے تو اس "لَوْاَنَّ" کا اکٹھا مفہوم "اگر تو" سے ظاہر کیا جا سکتا ہے۔ اسی لئے بیشتر مترجمین نے یہاں "لَوْاَنَّهُمْ" کا ترجمہ صرف "اگر وہ" سے کر دیا ہے۔

© rasailojaraid

③ ”اٰمَنُوا“ (وہ ایمان لائے) جس کا ترجمہ یہاں ”لَوْ اَنَّھُمْ“ (اگر وہ) کی وجہ سے ”ایمان لاتے“ کیا جائے گا۔ دیکھئے البقرہ: ۳ [۲:۲:۱(۱)] میں اس فعل کے مادہ، باب اور معنی وغیرہ کی بحث بسلسلہ کلمہ ”یُؤْمِنُوْنَ“۔

④ ”وَاتَّقَوْا“ (اور وہ پرہیزگاری کرتے۔ بچ کر رہتے) صیغہ فعل ”اِتَّقَوْا“ (جس کا مادہ ”و ق ی“ اور وزن اصلی ”اِفْتَعَلُوا“ ہے) اس کی لغوی بحث کے لئے دیکھئے البقرہ: ۲ [۲:۱:۱(۷)]۔ یہ صیغہ دراصل ”اِوْتَقَیُوا“ تھا، جس میں پہلی ”واو“ تو ”ت“ بن جاتی ہے (مثالِ واوی جب باب افتعال سے آتا ہے تو اس میں یہ تبدیلی ضرور ہوتی ہے) اور آخری واوالجمع سے ماقبل والی ”ی“ گر کر اس سے پہلے حرف (عین کلمہ جو یہاں ”ق“ ہے) کی فتحہ برقرار رہتی ہے۔

⑤ ”لَمَثُوبَۃ“: ابتدائی لام مفتوحہ برائے تاکید بھی ہے اور یہ جوابِ شرط پر آنے والی ”لام“ بھی ہے۔ البقرہ: ۶۴ [۲:۴۱:۱(۶)] میں ”لَ“ کے معنی و استعمال پر مفصل بات ہوئی تھی۔ ”مَثُوبَۃ“ کا مادہ ”ث و ب“ اور وزن ”مَفْعُلَۃٌ“ یا ”مَفْعُوْلَۃٌ“ ہے یعنی دراصل یہ ”مَثْوُبَۃ“ یا ”مَثْوُوبَۃ“ تھا۔ پھر متحرک حرفِ علت (و) کی حرکت (ـُ) ماقبل ساکن حرفِ صحیح (ث) کو دی گئی اور دوسری صورت میں دو ساکن ”واو“ جمع ہونے کی بناء پر ایک ”و“ کو گرا دیا گیا اور یہ لفظ ”مَثُوبَۃ“ بنا اور پہلی شکل ”مَثْوُبَۃ“ کا اصل ہونا زیادہ قرین قیاس ہے کیونکہ (جیسا کہ آگے آئے گا) اس کا فعل لازم ہے اس سے اسم مفعول کا صیغہ نہیں بن سکتا۔ بہرحال اس کے مادہ (ث و ب) سے فعل مجرد ”ثَابَ یَثُوبُ“ (دراصل ثَوَبَ یَثْوُبُ) ”ثَوْبًا“ (نصر سے) کے بنیادی معنی ہیں ”کسی شخص یا چیز کا واپس اسی جگہ یا حالت میں لوٹ آنا جہاں سے وہ چلا تھا“ یعنی ترجمہ ”پلٹ آنا، واپس آ جانا، اصلی جگہ جمع ہو جانا، مریض کا صحت یاب ہو جانا (حالت صحت کی طرف لوٹ آنا)“ وغیرہ۔ اسی سے لفظ ”ثَوَاب“ بمعنی ”اجر و جزاء“ ہے کیونکہ اس میں بھی ”واپس مل جانے“ کا مفہوم موجود ہے۔ اور بعض نے {۱} ”ثوب“ بمعنی ”کپڑا“ کی وجہ تسمیہ یہی بتائی ہے کہ ”سُوت“ آخرکار لوٹ کر یا اکٹھے ہو کر یہ شکل اختیار کرتا ہے۔ تاہم قرآنِ کریم میں اس فعل مجرد سے کوئی صیغہ فعل کہیں استعمال نہیں ہوا۔

● قرآنِ کریم میں اس مادہ سے مزید فیہ کے باب تفعیل اور اِفعال سے کچھ صیغہ فعل چار

{۱} دیکھئے ”المفردات للراغب“

© rasailojaraid
© rasailojaraid
© rasailojaraid

جگہ آئے ہیں۔ اس کے علاوہ مختلف مشتق اور ماخوذ اسماء (مثلاً ثَواب، مَثَابَة، مَثُوبَة، ثِیَاب وغیرہ) بھی ۲۴ جگہ آئے ہیں۔ ان پر ان شاءاللہ حسب موقع بات ہو گی۔

● زیرِ مطالعہ لفظ (مَثُوبَة) قرآنِ کریم میں صرف دو جگہ وارد ہوا ہے (یہاں اور پھر المائدہ : ۶۰ میں) اور یہ لفظ بلحاظِ معنی "ثَواب" کے مترادف ہے اور "ثواب" کا لفظ اُردو میں اتنا عام ہے کہ قریباً سب ہی مترجمین نے "مَثُوبَة" کا ترجمہ "ثواب" ہی کیا ہے۔ اگرچہ بعض نے "بدلہ، معاوضہ اور صلہ" کی صورت میں بھی ترجمہ کیا ہے۔

⑥ "مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ" (اللہ کے پاس سے، اللہ کے ہاں، اللہ کے یہاں کا) یہاں "مِنْ" ابتدائیہ بمعنی "سے، کی طرف سے" ہے دیکھئے [۲ : ۳ : ۱(۵)]۔ "عِنْدَ" ظرف بمعنی "....کے پاس" ہے۔ اس پر البقرہ : ۵۴ [۲ : ۳۴ : ۱(۶)] میں بات ہوئی تھی---- اور یہی پوری ترکیب (مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ) ابھی اوپر البقرہ : ۸۹ [۲ : ۵۴ : ۱(۲)] میں بھی گزر چکی ہے۔

⑦ "خَیْرٌ" (بہترین، سب سے اچھا) اس لفظ کے مادہ، باب فعل اور معنی وغیرہ پر البقرہ : ۵۴ [۲ : ۳۴ : ۱(۵)] میں مفصل بات ہو چکی ہے۔

● یوں اس عبارت (وَلَوْ اَنَّھُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ خَیْرٌ) کا لفظی ترجمہ بنتا ہے "اور اگر وہ ایمان لاتے اور پرہیزگاری کرتے تو یقیناً ثواب جو اللہ کی طرف سے (ملتا) سب سے بہتر تھا"۔ "وَاتَّقَوْا" کا ترجمہ "پرہیز رکھتے، تقویٰ کرتے، پرہیزگار بنتے، تقویٰ اختیار کرتے" کی صورت میں بھی کیا گیا ہے۔ سب کا مفہوم یکساں ہی ہے۔ بعض نے "لَمَثُوبَةٌ" کے ترجمہ (ثواب، بدلہ وغیرہ) کے ساتھ فقرہ مکمل کرنے کے لئے "تھا، پاتے، ملتا، ہوتا" وغیرہ کا اضافہ کیا ہے جو ویسے "خیر" کا (جو خبر ہے) تقاضا ہے۔

۲ : ۶۲ : ۱(۱۴) [لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ]

(اگر وہ جانتے ہوتے) بعینہٖ یہی جملہ ابھی اوپر (۱۲) میں گزرا ہے۔

(جاری ہے)

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

© rasailojarai